خلافت تحریک

ڈاکٹر اخلاق احمد

خلافت کا مسئلہ سقیفہ بن ساعدہ سے شروع ہوکر تین مارچ ۱۹۲۴ء کو ترکی کی سرزمین استنبول پر ختم ہوا۔ لیکن اس طویل عرصے میں مسلمانوں پر کیا گذری، ان کی فرقہ بندی، افراتفری، عداوت رقابت، خونریزی، تباہی سیاسی مدبر سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے اموی دور میں خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوئی، لیکن عربوں کے ہاتھ سے زائل نہیں ہوئی۔ عباسی دور میں خلفاء عرب رہے لیکن خلافت پر غیر عرب اثر انداز ہوئے۔ پھر مسلمانوں کی یہ عزیز دولت خلافت مصر میں مملوکوں کے ہاتھ لگی اس کے بعد سلیم اول نے جب مصر پر قبضہ کیا تو اس نے خلافت کا یہ پودا ترکی کی سرزمین پر نصب کر دیا۔ اس نئی آب و ہوا میں یہ پودا کافی شاداب اور سایہ دار ہو گیا۔ جب یہ پودا پرانا ہو گیا، اس کا تنا اور شاخیں کھوکھلی ہو گئیں، پتیاں سوکھ گئیں، پھل دینے کے لائق نہ رہا تو مصطفےٰ کمال پاشا نے اس کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا آج اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ایک زمانے تک دنیا کے زرخیز ترین علاقوں پر سیاسی، سماجی اور مذہبی پہلوؤں پر سایہ فگن تھا۔

خلافت کے نام پر جہاں مسلمانوں کو بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑیں، گھاٹے اٹھانے پڑے۔ صعوبت کی زندگی گزارنی پڑی، کمال وزوال کی منزلیں طے کرنی پڑیں وہاں اس کی برکات سے سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اگر خلافت کی داغ بیل نہ پڑی ہوتی اور بہت سارے شیخ کو ملا کر ایک بڑا شیخ خلیفہ نام کا نہ بنا دیا گیا ہوتا تو شریعت کی امانت اور شیرازہ بندی کا کیا عالم ہوتا۔ خلافت کو خلافت راشدہ کے آخری دور میں جن حالات سے گزرنا پڑا وہ کافی بحث طلب مسئلہ ہے خلافتِ راشدہ کا یہ پورا دور ایک

مثالی دور ثابت ہوا کیونکہ کسی خلیفہ کی ذاتی غرض کسی شکل میں بھی نمایاں نہیں ہوئی انھوں نے دین کی اصلاح کی خاطر دنیاوی گھاٹے برداشت کیے دینی زندگی کو دنیاوی زندگی پر ترجیح دی۔ عام انسانوں کو جو چیز کبھی کبھی چونکا دیتی ہے وہ ان کی خدمت اسلام کے گوناگوں پہلو، اس کے بعد اگرچہ خلافت اپنی معنویت کھو چکی تھی لیکن پھر بھی اس کے ذریعہ مسلمانوں کی مرکزیت کسی نہ کسی شکل میں باقی رہی۔ اس مرکزیت میں نفع و نقصان کا تعین کرنا بڑا مشکل ہے کیونکہ نظرا پنی اپنی ہوتی ہے۔ مثلاً ترکی سلطان کو خلافت راس نہ آئی یا خلافت سلطنت کی زیبائی تھی۔ یہ فیصلہ گہری بصیرت کا طلب گار ہے، خلافت شروع شروع میں بڑے خلوص اور پارسائی کے ساتھ چلی لیکن راستے میں سلطنت سے ملاقات ہوئی۔ ایثار اور ہمدردی کے جذبے کے تحت خلافت نے سوچا چلو اس کو بھی اپنے ساتھ سدھار لونگی کیونکہ اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اگر ساتھ چھوڑ دیا تو اس کے قدم ڈگمگا بھی سکتے ہیں لیکن آگے چل کر جب سلطنت جذبات کی نگرانی میں آگئی اور اقتدار کی ہوس کا اس پر سایہ ہوا تو خلافت زوال آمادہ ہوگئی۔

جہاں تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کب یہاں آئے اور کس طرح سے اپنی حکومت کی داغ بیل ڈالی، وہیں سے یہ ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسلم حکمراں اور خلافت کا تعلق ہمیشہ قائم رہا۔ بغداد کے خلیفہ کے پاس نہ کوئی طاقت رہ گئی تھی نہ اثر لیکن چونکہ خلافت مسلمانوں کے عقیدے کا جزو بن چکی تھی اس لیے دنیا کے کسی حصے میں بھی اگر مسلمانوں کی حکومت قائم تھی تو وہ خلیفۂ بغداد کی منظوری کے بغیر غیر قانونی اور غیر مستحکم تصور کی جاتی تھی بغداد کی خلافت کی حیثیت اگرچہ صرف برائے نام رہ گئی تھی لیکن عہد سلطنت کے آغاز میں غلام خاندان کے سلاطین خلیفہ بغداد کی منظوری کی روایت باقی رہنا چاہتے تھے۔ عہد خلیفہ کے اندر اگرچہ مذہبی رجحانات کافی نشیب و فراز سے ہمکنار رہے لیکن پھر بھی بغداد کی خلافت سے بے اعتنائی ناممکن تھی۔

یورپ کے صنعتی انقلاب کی برکتیں ساون کے بادلوں کی طرح مست جھومتی ہوئی مختلف سمتوں میں نکل پڑیں اور ٹوٹ کر برسنا شروع ہوئیں۔ دوسرے دیس کے باسی اس بارش سے پریشان ہوگئے۔ اور کہنے لگے کہ اب کے یہ بادل کہاں سے آئے ہیں کہ اس بارش سے تمام فصلیں

برباد ہوگئیں اور ساری بہار بن گئی۔ اس برکھا کی رت نرالی ہے کہ قدرت کی بخشیں اور نوازشیں ہم سے روٹھی جارہی ہیں، انیسویں صدی کی دوپہر ڈھل چکی ہے جنگِ آزادی کے خون میں نہا کر غم واندوہ کا لباس زیبِ تن کررہی ہے۔ بیسویں صدی کی صبح کاذب سے کم نہ تھی، کوئی سو رہا ہے کوئی جاگ رہا ہے کوئی کروٹیں بدل رہا ہے کوئی خواب میں بڑبڑا رہا ہے کوئی چیخنے کی کوشش کررہا ہے۔ لیکن آواز نہیں نکل رہی ہے، کوئی خواب دیکھ رہا ہے کوئی خواب کی تعبیر بن رہا ہے، کوئی سویا اپنے آپ کو چلتا پھرتا محسوس کررہا ہے، کوئی دوڑتا ہوا اپنے کو سویا ہوا تصور کیے ہوئے ہے، کوئی ہجر کی قتل گاہوں سے ہم کنار ہے کوئی وصل کی شب سے مالا مال اور زلفِ پریشاں سے ہم کنار ہے۔ صبح کاذب کی جھلکیوں میں کیا کیا نظر آیا تقسیم بنگال، اردو ہندی کی چپقلش، مسلم لیگ، جنگ عظیم اول، شیخ الہند، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی، مہاتما گاندھی، لوک مان تلک، سی، آر۔ داس، سیف الدین کچلو، مولانا ابوالکلام آزاد، ہجرت کی تحریک، راجہ مہندر پرتاب، موتی لال نہرو، پنڈت مدن موہن مالویہ، مولانا حسرت موہانی، مسز بسنٹ، ہوم رول، رولٹ بل، سوامی شردھانند، بردولی چوراچوری، دیوبند احمدآباد، کراچی، پرنس آف ویلز، جلیانوالہ باغ، رابندر ناتھ ٹیگور، ترک موالات، ستیہ گرہ خلافت تحریک۔

روسی حکومت کی طرح ترکی حکومت بھی یورپ، افریقہ اور ایشیا تینوں براعظموں تک پھیلی ہوئی تھی۔ نشاۃ ثانیہ اور صنعتی انقلاب کے بعد یورپ نے ترکی حکومت کو معاشی اور سیاسی لحاظ سے اپنے راستے میں حائل سمجھا۔ اس لیے جنگ طرابلس، جنگ بلقان اور جنگ عظیم اول جیسی چنگاریاں اور شعلے اٹھنے شروع ہوگئے جن کی حرارت اور گرمی کو ہندوستان نے بھی محسوس کیا۔ جنگ عظیم کے خطرات نے حرمین شریفین، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بیت المقدس، آثارِ قدیمہ بغداد ونجف اور کربلا معلی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کیونکہ ان کی حفاظت ترکی کے خلفاء کے سپرد تھی۔ جو اپنے کو سلطان ترکی وخادم حرمین شریفین کہتے تھے۔ اس لیے جنگ عظیم اول نے ہندوستانی مسلمانوں کے رگ وپے میں خون کا چراغاں کردیا دوران جنگ سرفروشی کا علم اپنے ہاتھوں میں اٹھالیا۔ روشن روشن پر قید وبند کی سلاسل چمکنے لگیں اور اسی آگ وخون کی ہولی میں وہ پھول

کملانے پر تلے تھے، ترکی کے لیے یہ جاں نثاری دل آزاری اور دلبستگی اس لیے تھی کہ ترکی سرزمین میں عقائد کی جڑیں پہنچی ہوئی تھیں ورنہ نپولین بوناپارٹ نے جب مصر پر حملہ کیا تو ہندوستان کے اندر موت و زیست اور بیم و جان کی آزمائش نہیں ہوئی ان تمام سرگرمیوں کا سہرا لکھنؤ میں فرنگی محل کے سر باندھا گیا جہاں مولانا عبدالحئی فرنگی محلی جیسی عظیم ہستی موجود تھی جو پورے ملک میں فانوس دار مینار کا کام کر رہی تھی یہیں پر خدام کعبہ کی بنیاد رکھی گئی اور مولانا شوکت علی نے ملازمت سے استعفیٰ دے کر اس تحریک میں حصہ لیا۔ مولانا محمد علی بھی مولانا کے زیر اثر آگئے اور یہیں فرنگی محل میں مولانا عبدالباری نے دونوں بھائیوں کے ناموں کے ساتھ مولانا کا لفظ استعمال ہونے لگا ورنہ دونوں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے گریجویٹ تھے۔ خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلمائے ہند کی بنیاد ۱۹۱۹ء میں ڈالی گئی۔ خلافت کمیٹی کے قیام میں مولانا عبدالباری کا ہاتھ صاف نظر آتا ہے خدام کعبہ یا آل انڈیا مسلم کانفرنس کیسے خلافت کمیٹی میں تبدیل ہوگئی۔ کس نے دیکھا ہے کہ قطرہ کیسے گہر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ستمبر کے اوائل ۱۹۱۹ء میں برطانیہ کے سکریٹری خارجہ نے اس بات کی غمازی کی کہ روسی کی طرح ترکی کو بھی جنگ کا خمیازہ بھگتنا پڑیگا اسی بات نے چودھری خلیق الزماں کے دل کو سخت تکلیف پہنچائی۔ انھوں نے اس منحوس خیال کا اظہار راجہ محمود آباد سے کیا اور تجویز پیش کی کہ کیوں نہ مسلم لیگ کے ذریعے ایک کانفرنس وجود میں لائی جائے جس کے ذریعہ حکومت برطانیہ کو یقین دلایا جاسکے کہ ترکی یا خلافت کے خلاف اگر کوئی فیصلہ ہوا تو مسلمان مزاحمت سے باز نہ آئیں گے انھوں نے میٹنگ کے لیے ایک نوٹس تیار کیا سید وزیر حسن اور حبیب اللہ سے کہا کہ اس پر دستخط کریں لیکن ان لوگوں نے پہلے پہلوتہی کا راستہ اختیار کیا اس سلسلے میں راجہ محمود آباد اور دوسرے لوگوں سے مشکل پیش آئی۔ لیکن ان کے چچا نسیم صاحب نے ان کو پانچ ہزار کی رقم پیش کی تاکہ اس خیال کو عملی جامہ پہنایا جائے اس کے بعد قاضی عبدالغفار کو ابراہیم ہارون جعفر کے پاس پونا بھیجا گیا کہ ان کو تیار کریں کہ وہ لکھنؤ آکر کانفرنس کی صدارت کریں جو لکھنؤ میں ہونے جارہی ہے اور صرف خطبۂ صدارت پڑھ دیں۔ انھوں نے یہ پیش کش قبول فرمائی۔ یہ خبر ہندوستانی مسلمانوں کے درمیان پیٹرول پر آگ کا کام کر گئی اس کانفرنس میں شرکت کے لیے ملک کے ہر گوشے سے مندوبین کے ناموں کے خطوط

ورائیاں شروع ہو گئے یہاں تمام منتخب شدہ ناموں کا پیش کرنا ممکن ہے صدر صاحب کی ٹرین لیٹ ہونے کی وجہ سے مولانا عبدالباری کو ان کی عدم موجودگی میں صدر منتخب کرلیا گیا۔ چند تقاریر کے بعد جلسہ برخاست ہو گیا تاکہ شام میں منتخب شدہ صدر کی صدارت میں جلسہ دوبارہ ہو صدر صاحب اپنے ساتھ امپیریل کونسل کے مسلم ممبران کا ایک خط لائے تھے جس پر ۱۹ ستمبر ۱۹۱۹ء کی تاریخ پڑی ہوئی تھی جس کے اندر ترکی کے ساتھ بھرپور ہمدردی کا اظہار کیا گیا تھا اور حکومت برطانیہ سے درخواست کی گئی تھی کہ ترکی کی حکومت کو برباد نہ کیا جائے۔ اس پر سید نواب علی، میجر سر عمر حیات خاں تیوانا، سیٹھ عبداللہ ہارون، نواب ذوالفقار علی خاں، چودھری محمد اسمٰعیل بہاری اور دوسرے حضرات کے دستخط تھے۔ راجہ صاحب محمودآباد بھی اس جلسے میں شریک تھے۔ خلافت اور ترکی سے متعلق کئی ریزولیشن پاس ہوئے ایک ریزولیشن کے تحت ایک آل انڈیا سنٹرل خلافت کمیٹی وجود میں آئی سیٹھ چھوٹانی کی درخواست پر اس کا مرکز بمبئی قرار پایا۔ چودھری خلیق الزماں نے اس کے لیے دستور مرتب کیا مرکز خلافت کمیٹی کے صدر سیٹھ چھوٹانی اور بمبئی کے حاجی صدیق کھتری اس کے سکریٹری منتخب ہوئے لیکن جب دو ماہ بعد مولانا شوکت علی رہا ہو کر آئے تو وہ اس کے سکریٹری منتخب ہو گئے صوبائی سطح پر صوبہ اودھ میں ممتاز حسین صدر، مولانا سلامت اللہ نائب صدر اور شیخ شوکت علی سکریٹری منتخب ہوئے[۴]

آل انڈیا سنٹرل خلافت کمیٹی کا وجود کا شگون مولانا عبدالباری سے ہوا یہ اور بات ہے کہ صدر صاحب کی ٹرین لیٹ ہو گئی لیکن اس کمی کو پورا کرنے کے لیے مولانا ہی کی ذات قرار پائی ہندوستانی مسلمان خلافت اور ترکی کے تحفظ کے لیے بے چین تھے علماء خلافت کی صحیح تاویل قرآن اور حدیث سے نہیں کر پا رہے تھے ایسی نازک گھڑی میں مولانا عبدالباری اس بات میں کامیاب ہو گئے کہ انھوں نے تقریباً پانچ سو علماء کے دستخط سے خلافت کی موافقت میں فتویٰ حاصل کرلیا۔ جو وائسرائے کو بھیج دیا گیا[۵] مولانا عبدالباری نے خلافت تحریک کا بوجھ مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کے کندھوں پر ڈال دیا۔ ایک طرف جنگ کے شعلے آسمان تک اٹھ رہے تھے دوسری جانب خلافت تحریک کا کارواں جادہ پیما ہوتا ہے۔ جس پر خاص طور سے مولانا عبدالباری، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی مہاتما گاندھی صاف صاف نظر آتے ہیں خلافت کی جمنا کی تیز دھاریں اور بہتا ہوا تموج علما کی دیرینہ

جہاد کی آگ سینے میں جالیں تو دریا کا پاٹ اور کشادہ ہوگیا، زوال تیز سے تیز تر ہوگئی سلطنت مغلیہ کے اضمحلال نے شاہ ولی اللہ کی رگ کو جگا دیا۔ انھوں نے یہی آواز گونجایا یہ آواز اندرون ملک کے علاوہ بیرون ملک احمد شاہ ابدالی کو بھی سنائی دی۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز نے اس حرارت کو سرد نہ ہونے دیا پھر اُن کے بعد سید احمد شہید بریلوی اور سید اسماعیل شہید نے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی جب برطانوی حکومت نے اپنے آہنی پنجوں سے ہندوستان کو پوری طرح پکڑنے کی کوشش کی تو جہاد کی جلتی ہوئی شمعیں جنگ آزادی کے میدان تک روشن نظر آئیں۔ اس کی ناکامی کے بعد اس خاکستر سے کچھ چنگاریاں دیوبند اور دوسری جگہوں پر پہنچائی گئیں۔ دیوبند یہاں سے علم کے سوتے بہنے لگے تھے وہاں اب سیاست کی پو پھوٹی مولانا محمود حسن شیخ الہند نے جہاں تمام عالم اسلام میں برطانوی حکومت کے خلاف آواز بلند کی وہاں ہندوستان ان کی جگر سوزی سے کیسے محروم رہ سکتا تھا مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عبیداللہ سندھی، راجہ مہندر پرتاپ، لکڑی کا صندوق ریشمی رومال اس سلسلے کی اہم کڑیاں ثابت ہوئیں۔ ۱۸۸۵ء میں آل انڈیا نیشنل کانگریس قائم ہوئی تھی جس کے روح رواں مسٹر ہیوم اور رہنما دادا بھائی نوروجی اور سریندر ناتھ بنرجی تھے شروع شروع میں اس کا خاص مقصد یہ تھا کہ ہندوستانی اپنے اغراض کسی طرح حکومت برطانیہ کے سامنے پیش کرسکیں ابھی تک کانگریس کے نصب العین میں برطانوی دوستی کا اثر غالب تھا اسی لیے جنگ عظیم اول کے شروع میں کانگریس اور گاندھی جی کا رویہ معتدل رہا اسی دوران ہوم رول کی تحریک زور پکڑنے لگی چکبست جیسے نے یہ نعرہ بلند کیا[6] ؎

نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

مسلمانوں میں کشمکش قابل رحم تھی ایک طرف سرسید کے ارادے اور علی گڑھ تحریک دوسری جانب دیوبند تحریک اور کانگریس۔ اب دھیرے دھیرے مہاتما گاندھی کی دلچسپیاں خلافت تحریک سے بڑھنے لگیں یہاں تک کہ انھوں نے اس تحریک کو مکمل طور سے اپنا لیا۔ مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی کے تعلقات مہاتما گاندھی سے اس قدر خوش گوار ہوئے کہ دونوں بھائی ان کو بابو کہنے لگے، آزاد سبحانی کھدر دھاری بن کر گاندھی جی کے آشرم میں جانے لگے اور مولانا

ابوالکلام آزاد گاندھی جی کے پیرو اور ہم نوا بن گئے مولانا حسرت موہانی اپنی افتادِ طبع کی وجہ سے گاندھی جی سے کچھ دور لیکن لوک مانیہ تلک کے نزدیک تھے پھر بھی انھوں نے گاندھی جی کے فیصلوں سے کبھی اختلاف نہیں کیا ان کے علاوہ دوسری مایہ ناز ہستیوں حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی تھی یہ نام تحریک خلافت سے پوری طرح منسلک تھے اس وقت قوم کی خدمت کرنے کا ہی دوسرا نام تحریک خلافت تھا۔

حکومت کا نشہ کیا یونہی کم ہوتا ہے لیکن فتح اور کامرانی کی مے اس کی رگ و پے میں سرایت کر جائے تو اس کی بدمستی اور سرشاری کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ جنگ عظیم کی فتح بھی عظیم ثابت ہوئی ایک طرف اس کے جشن کی تیاریاں دوسری جانب اس کے بائیکاٹ اور مخالفت کی سرگرمیاں، کامیابی کے بعد امتیازی شان پیدا ہونا ایک فطری جذبہ ہوتا ہے۔ کبھی اعتدال کے ساتھ کبھی تجاوز کے ساتھ حکومت نے رولٹ بل کو ایکٹ کی شکل دے دی۔ خلافت تحریک نے گاندھی جی کی رفتار کو تیز گام کر دیا۔ رولٹ بل کا پیش ہونا تھا کہ اس خاموش سمندر میں طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ستیہ گرہ شروع ہو گئی اس عملی قدم کو اٹھانے کی ہمت گاندھی جی کو اس لیے ہوئی کہ تحریک خلافت نے ہندو مسلم اتحاد کا ثبوت دیا تھا۔ اس اتحاد نے آریہ سماج کے سوامی سردھانند کو دہلی کی جامع مسجد کے مکبرہ پر تقریر کرنے کے لیے کھڑا کر دیا گیا۔ تحریک خلافت کے اثرات ملک گیر ثابت ہوئے اتفاق اور نااتفاقی کے باوجود ہر چھوٹے بڑے لیڈر نے اس تحریک میں حصہ لیا۔ اسی لیے وائسرائے کو بھی اس کی طرف توجہ دینی پڑی یہاں تک کہ گاندھی جی سے ملاقات طے پائی تاکہ ان سے تبادلہ خیال کے بعد کوئی نتیجہ نکلنے کی راہ پیدا ہو۔ بنگال اور پنجاب کے سماجی اور تیزابی مزاج سے کس کو انکار ہو سکتا ہے تشدد جن کی زبان ہو گاندھی جی کے عدم تشدد کی بات رٹنے کے باوجود بھی سبق نہیں یاد ہوتا ستیہ گرہی جلسہ کے سلسلے میں جلیانوالہ باغ کا حادثہ پیش آیا۔ جنرل ڈائر نے اپنی ڈائری میں اس واقعہ کو خاص جگہ دی۔ اور خلافت تحریک نے اپنے روزنامچے میں ٹانک لیا۔ حکومت سے پنجہ آزمائی میں گاندھی جی نے اپنے خطابات اور انعامات واپس کر دیئے۔ پھر کیا تھا ملک بھر میں ہندو مسلم تے ان چیزوں کو نوچ نوچ کر حکومت کے منہ پر مارنا شروع کر دیا۔ رابندر ناتھ ٹیگور کے نغموں کی زبان بنگال کی گہری نیلی جھیلوں، ندیوں اور اتھاہ سمندر نے سمجھا تھا لیکن ان کے عزم کی زبان دانشوروں کو بھائی جب

ٹیگور نے اپنا سر کا خطاب واپس کیا تو اس کا اثر اعلیٰ طبقے میں کافی ہوا علماء کے جہاد اور خلافت تحریک نمائندے سے عبیداللہ سندھی افغانستان میں موجود تھے حکومت برطانیہ نے وہاں ہمیشہ اپنی آشنائی کا ڈھونگ رچایا، اپنی پالیسی کی شاطرانہ چال پر نظر رکھی۔ امیر افغانستان عبدالرحمٰن انگریزوں کی دوستی کا دم بھرتے رہے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے امیر حبیب اللہ پورے طور سے برطانیہ کے زیر اثر رہے اس لیے عبیداللہ سندھی جہاں تما قیدی بنے رہے جبکہ انھوں نے افغانستان سے اندر ہندوستان کی آزاد حکومت کی بنیاد رکھی تھی جس کے صدر راجہ مہندر پرتاب سنگھ تھے لیکن انھیں کیا پتہ تھا کہ وہ صرف ہندو سے پر بٹھائے گئے ہیں لیکن باپ کے قتل کے بعد بیٹے امیر حبیب اللہ خان نے کافی تلافی کی ان کے سینے میں اتحاد اسلام اور خلافت کا وہی جذبہ وہی تھا جو ہندوستانی کے دل میں تھا۔ افغانستان کی یہ وہی سرزمین ہے جہاں سے جمال الدین افغانی نے اتحاد اسلامی کا کا صور پھونکا جو پان اسلام ازم کے نام سے جانا جاتا ہے۔

جنگ میں ترکی کو شکست ہوئی صلح کے شرائط طے ہو رہے تھے ادھر ہندوستان مچھلی بے آب بنا ہوا تھا خلافت تحریک کے تحت ہندو مسلمان حکومت برطانیہ پر اپنے جذبات سے دباؤ ڈال رہے تھے کہ خلافت کا مرکز ترکی ہی میں بحال رکھا جائے اور مقامات مقدسہ بیت المقدس، فلسطین، بغداد، نجف اشرف وغیرہ کو خلیفہ کے ماتحت رہنے دیا جائے لیکن یہاں تو برطانیہ کا باز اپنے پنجے میں ترکی پرندہ کو دبائے دوڑا جا رہا تھا۔ خلافت کی چڑیوں کی چیں چیں کا کیا اثر پڑ سکتا تھا۔ آل انڈیا مسلم کانفرنس بلائی گئی جس میں ملک کے ہر گوشے سے مختلف طبقہ خیال کے علماء اور زعماء شریک ہوئے۔ کانفرنس کے ممبروں کی فہرست کافی طویل تھی مگر مسلمانوں کی موت و حیات کا فیصلہ ان کے اختیار سے باہر تھا۔ لیکن پھر بھی اپنے مفلوج ہاتھوں کو دعا کے لیے اٹھایا گیا۔ لکھنؤ کے علاوہ دوسرے بڑے شہروں میں بھی یہ رسم دعا ادا ہوئی۔

۲۲ نومبر ۱۹۱۹ء کو خلافت کمیٹی کا اجلاس دلی میں ہوا جس کی صدارت بنگال کے فضل حق نے کی۔ اس کمیٹی کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں مہاتما گاندھی کے علاوہ دوسرے ہندو لیڈر بھی شریک ہوئے خلافت تحریک کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا اس کے لیڈروں کے سامنے جیل اور گھر کی تفریق ختم ہو چکی تھی۔ دسمبر ۱۹۱۹ء میں مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی تینوں

جیل سے نکل سیدھے امرتسر میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کے اجلاس میں شریک ہوئے ۔جہاں خلافت کانفرنس بھی ہو رہی تھی ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء کا زمانہ خلافت تحریک کا شباب کا زمانہ مانا جاتا ہے ۔اس دوران خلافت کانفرنس کے متعدد کامیاب جلسے مختلف جگہوں پر ہوتے رہے ۔ ان کی کامیابی میں دوسرے اسباب کے علاوہ اخبار بھی اپنا رول ادا کررہے تھے ۔یعنی کامریڈ ۔ ہمدرد ، الہلال ، البلاغ ، زمیندار ، پیسہ ، مشرق ، ینگ انڈیا وغیرہ ۔ ہندوستان اپنی تگ و دو میں لگا ہوا تھا ۔ ادھر انگریز بھی غافل نہ تھا اس کی ریشہ دوانیاں شریف مکہ کے ذریعے کامیاب ہو رہی تھیں ۔شکست کے بعد شگفتہ نیلوفر کی پنکھڑیاں سیاسی سرگیں شام میں سکڑکر رہ گئیں ۔ترکی کی حکومت محدود اور مرکوز ہوئی ، مصطفیٰ کمال پاشا نے پہلے سیاست اور خلافت کو ایک دوسرے سے الگ کیا پھر خلافت کا خاتمہ کر دیا ، ہندوستان میں خلافت تحریک معکوس ہو کر رہ گئی ہندوستان کو ترکی کے اندرونی مسائل کے سمجھنے میں چوک ہوئی ۔ ترکی دھیرے دھیرے یورپ کی نئی تحریکات کی لپیٹ میں آ رہا تھا ۔ یہی وجہ تھی کہ مملکت عثمانیہ کی حکومت اور ادارے کی اصلاحات کے سلسلے میں تنظیمات کی تحریکات شروع ہوئی ۔سلطان سلیم سوم اور محمود ثانی نے محسوس کیا تھا کہ سلطنت عثمانیہ اندرونی اور بیرونی لحاظ سے کمزور ہو چکی تھی اس کو بچایا جائے ۔ محمد ثانی اندرونی ملک نظام جاگیرداری (فیوڈل سسٹم) کو منسوخ کرتے اور اپنی بری فوج کے رجعی عنصر کی بیخ کنی کرنے میں کامیاب ہوگیا لیکن مصر اور یونان چھین جاتے کو نہ روک سکا یعنی خارجی معاملات میں کامیابی نہیں ہوئی ۔تنظیمات تحریک کا خاتمہ سلطان عبدالحمید ثانی کی استبدادی حکومت کا زمانہ سمجھا جاتا ہے پھر ترکی کے نئے تیور کیا تھے ہندوستان نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی ۔ جبکہ دو نسلی طاقتیں ترک اور عرب اب خلافت کی دسترس سے باہر ہو چکی تھیں اور یورپ کی عمیق نگاہیں ترکی کے ہر پہلو پر پڑ رہی تھیں ۱۹۱۷ء کے روسی بولشویک انقلاب نے اعلانیہ سامراج دشمن تحریک کی رہنمائی کی جس سے مصطفیٰ کمال پاشا بھی اثر انداز تھے ۔

خلافت تحریک کی سرگرمی اس کی کامیابی اور ناکامی کے سلسلے میں مخصوص شخصیات ان کے کارہائے نمایاں اور نقطہ نظر کے نقوش تاریخ کے بکھرے ہوئے الفاظ ہیں ۔ مولانا قیام الدین محمد عبدالباری فرنگی محلی کا زمانہ ۱۸۷۵ء سے ۱۹۲۹ء تک رہا ۔ لکھنؤ کی سرزمین بڑی مردم خیز تھی بستی اور خاص طور سے شیعہ علما اور مشاہیر یہاں سے تعلق رکھتے تھے مولانا عبدالباری کی ذات دوسرے علماء کے مقابلے میں

منفرد تھی، علم و ادب اور خاندانی طریقت کے علاوہ گہرائی اور بیباکی کے ساتھ ساتھ سیاسی ذوق بھی رکھتے تھے۔ مہاتما گاندھی کے مشیر خاص، انجمن خدام کعبہ کے بانی اور خلافت تحریک کے روح رواں تھے، اپنی خوش اخلاقی، مہمان نوازی، فیاضی، ملنساری، آشنا مزاجی اور جان سوزی کی وجہ سے بڑے ہر دلعزیز تھے۔ مہاتما گاندھی، راجہ محمود آباد، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور دوسرے مذہبی سماجی، سیاسی اور روشن خیال لوگوں کے لیے آپ کا مکان مشاورت گاہ تھا۔ مشائخ کے عقائد اور رسوم کی پابندیاں بھی تھیں۔ درگاہوں اور مزارات کی زیارت اور عرسوں کے قائل تھے ہوسکتا ہے کہ علی برادران کے خاندان اور مولانا کے درمیان بیعت کا سلسلہ پہلے ہی سے رہا ہو جس کی وجہ سے یہ دونوں بھائی آسانی کے ساتھ مولانا سے بیعت ہو گئے[۱۱]۔ خلافت تحریک یا ہندوستانی سیاست کا کوئی موڑ ایسا نظر نہیں آتا جہاں مولانا نہ نظر آتے ہوں، لیکن یہ معمہ آج بھی سمجھنے اور سمجھانے کا ہے کہ مولانا کبھی حکومت کے عتاب میں نہیں آئے جیساکہ دوسرے رہنماؤں کو اس راہ میں مشکلیں پیش آتی رہیں۔ انگریزوں کے خلاف تحریک جہاد کے سرگرم رکن مولانا محمود حسن شیخ الہند حج کے سلسلے میں پاک مقدس سرزمین حجاز تشریف لے گئے تھے جہاں انگریزوں کی شہ پر شریف حسین مکہ نے آپ کو اپنے رفقاء کے ساتھ بھیج دیا۔ جزیرہ مالٹا جو بحیرہ روم میں واقع ہے جہاں شیخ الہند نے اپنے رفقا کے ساتھ قید با مشقت کی زندگی گزاری۔ تین سال سات ماہ کی قید کے بعد آٹھ جون ۱۹۲۰ء کو بمبئی پہنچ کر رہائی ہوئی[۱۲] پھر نومبر ۱۹۲۰ء کو انتقال ہو گیا۔ اس زمانے میں تحریک خلافت اپنے عروج پر تھی یہ مختصر وقت تحریک خلافت کے لیے ناکافی تھا۔ ورنہ یہ تحریک اور زور پکڑتی۔ بمبئی بندرگاہ پر جب آپ کا جہاز آکر لگا تو آپ کے قید و بند کے ساتھی مولانا مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا عزیز گل بھی ساتھ ساتھ تھے حکومت کی جانب سے مولوی رحیم بخش آپ سے ملنے آئے تھے۔ جو ایک طرح سے حکومت کے بھیجے ہوئے آدمی تھے۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ آپ کے لیے ٹرین میں خاص ڈبہ لگا ہوا ہے آپ اسی سے سفر کریں۔ مقصد یہ تھا کہ آپ سے خلافت والوں کی ملاقات نہ ہو لیکن وہاں منظر ہی کچھ اور تھا۔ ساحل پر مولانا شوکت علی اور ہزاروں لوگ آپ کی خدمت کے لیے موجود تھے۔ نعرۂ تکبیر سے فضا گونج گئی پھر کیا تھا مشتعل مجمع اور شیخ الہند کی ذات، خلافت کمیٹی کی طرف سے ایک جلسہ ہوا دو روز تک قیام رہا مولانا عبدالباری اور مہاتما گاندھی قیام گاہ پر تشریف لائے اور سیاست حاضرہ پر تبادلہ خیال

ہوا اس وقت خلافت تحریک اور ترکِ موالات کا زور تھا۔ ترک موالات کی صدا علی گڑھ میں زیادہ زیادہ اثر انداز نہیں ہو رہی تھی لیکن یہاں مختلف فکر و نظر کی پابندیاں بھی نہیں تھیں یہی وجہ ہے کہ مولانا مولانا محمد علی اور ان کے ہم خیال لوگوں کے ساتھ یونیورسٹی کے طلباء کی ایک خاص تعداد یونیورسٹی سے الگ ہو کر ایک اور درس گاہ قائم کی جو مسلم نیشنل یونیورسٹی تھی بعد میں جامعہ ملیہ اسلامیہ ہو گئی۔ مولانا شیخ نے مسلم یونیورسٹی کے طلبا اور عام مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ ترکِ موالات کے سلسلے میں کانگرس کا ساتھ دیں اور عمل کریں۔

مولانا حسین احمد مدنی نیکی اور پارسائی، طہارت، زہد و تقویٰ، خلوص، دیانت داری اور عقیدہ کی پختگی کی اپنی مثال آپ ہیں، استاذ محترم حضرت مولانا شیخ الہند کے اثر و ہدایت سے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ مالٹا جیل میں استاد کی صحبت سے زیادہ قائل ہوئے کہ سیاست کی راہ سے گزر کر بھی دین و ملت کی خدمت ہو سکتی ہے لیکن جیل کی صعوبت کی زندگی نے اس قدر شدت اختیار کر لی کہ انگریزوں سے دشمنی برائے دشمنی کے بھی قائل ہو گئے تھے۔ آپ کانگرس کے باقاعدہ ممبر بن گئے قید و بند کے مصائب اور حکومت کی سختیاں جھیلتے رہے خلافت تحریک کا عجب شباب کا زمانہ تھا اس وقت آپ استاد کے ساتھ قید و بند کی زندگی گزار رہے تھے لیکن ہندوستان کی جنگ آزادی کے سپاہی کی حیثیت سے آپ کی ہستی نمایاں رہی خلافت تحریک سے کون الگ تھا علماء کرام تو اس کے سنگ بنیاد ہی رہے قابل غور بات یہ ہے کہ اس وقت کانگرس، مسلم لیگ، جمعیۃ العلماء ہند وغیرہ سب کی جماعتیں عین خلافت تحریک کی ہمنوا تھیں اس لیے کوئی کہیں تھا مگر اس تحریک سے جدا نہیں تھا۔

جاری ہے